۱۹۳۳ء

کیا حمد ہو اس کی جو نہاں ہے نہ عیاں ہے
اللہ رے جلوہ کہ جہاں دیکھو وہاں ہے
دم بھرتی ہے خود روح کہ وہ جانِ جہاں ہے
کس جا اسے ڈھونڈوں کہ بلا قید مکاں ہے
عارف کی حدِ عقل سے بالا وہ صمد ہے
محدود نہ ہونے کی یہ حد ہے کہ اَحَد ہے

اے شاہدِ روپوش ورائے حدِ امکاں
گیسوئے تجسس تری فرقت میں پریشاں
دامانِ حقیقت میں سحر چاک گریباں
تو تجھ سے لگائے ہوئے ہر شمع ہے سوزاں
کب چاند ترے داغِ محبت سے بری ہے
سورج کو بھی دیکھا تو چراغِ سحری ہے

تو مجمع اضداد ہے اے اوّل و آخر
بے ہاتھ کے بے پاؤں کے ہر امر پہ قادر
سیکھا نہیں اک حرف۔ ہر اک علم کا ماہر
بے گوش کے سامع تو بغیر آنکھ کے ناظر
بے پردہ ہے موجود۔ حجابوں میں نہاں ہے
یاں بھی ہے وہاں بھی نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

شاخوں کی نزاکت میں لچک ہے تو وہ کیا ہے
کانٹوں کی صلابت میں کھٹک ہے تو وہ کیا ہے
پھولوں کی لطافت میں مہک ہے تو وہ کیا ہے
طالب کی نگاہوں میں للک ہے تو وہ کیا ہے
صد رنگ تجلی کا تقاضائے حسیں ہے
سب اس کے مظاہر ہیں جو ظاہر میں نہیں ہے

رکھتا ہے نظر۔ آنکھ دکھاتا بھی نہیں ہے
گویا بھی ہے۔ آواز سناتا بھی نہیں ہے
رگ رگ میں سمایا ہے۔ سماتا بھی نہیں ہے
آتا بھی ہے اور ذہن میں آتا بھی نہیں ہے
جتنا ہو جہاں ذوق وہ اتنا ہی قریں ہے
دیکھو تو یہیں ہے۔ جو نہ دیکھو تو نہیں ہے

ڈھونڈا جو بہت آب و ہوا آتش و گل میں — کچھ کچھ نظر آیا نگہِ شوق کے تل میں
دھڑکن سی ہے عاصی کے جو بھٹکے ہوئے دل میں — سُرخی ہے اسی نور کی رخسارِ خجل میں

زاہد کا تقاضا ہے کہ دیندار سے پوچھو
رحمت نے کہا جاؤ گنہگار سے پوچھو

دل سے جو طلب ہو تو اُدھر سے بھی ہو تائید — کھو جاتا ہے جو خود اسے پانے کی ہے امید
مشکل ہے تو اتنی سی کہ آساں ہے بہت دید — مشتاق جہاں ہو گئے قربان، وہیں عید

دل جس کا لیا اُس نے خدائی اسے دے دی
جو کھُل کے ملا عقدہ کشائی اسے دے دی

ارض و فلک و دشت و در و کوہ و بیاباں — نخل و حجر و برگ و گل و خار و گلستاں
جن و ملک و اہرمن و وحشی و داناں — موسائی و عیسائی و ہندو و مسلماں

رحمت تری مخصوص کسی ایک سے کب ہے
اتنا ہے روادار کہ مشرک کا بھی رب ہے

تو رازقِ کونین ہے اے خالقِ جبار — مطلوب کا مطلوب ہے طالب کا طلبگار
رحمان و کریم و احد و عادل و غفار — فرد و صمد و لم یلد و واحد و ستار

سلطانِ رسالت بھی ترے در کا گدا ہے
بندہ ہے وہ تیرا جو نصیری کا خدا ہے

چھپتا جو نہ تو تاک میں پودے نہ ابھرتے — یوں بُلبلِ بیتاب بھی فریاد نہ کرتے
جھونکے بھی ہواؤں کے دمِ سرد نہ بھرتے — پھولوں میں نہ ہوتا تو ہزار ان پہ نہ مرتے

ہر برگ کی نس نس جو تجلّی سے بھری ہے
ٹھہری ہوئی غنچوں پہ نسیمِ سحری ہے

کیا کیا تری الفت میں ہے کلفت کا قرینہ — اشکوں میں ڈبویا دلِ آدم کا سفینہ
تھا نوح کا طوفاں تپِ فرقت کا پسینہ — غش کھا گئے موسیٰ تو جلا طور کا سینہ

گر جائے یہ بجلی تو رگِ سنگ لہو دے
یہ دل کی لگی تھی کہ خلیل آگ میں کودے

آوارہ وطن بھی ہیں خضر۔ خاک بسر بھی — ایوب کا زخمی ہے کلیجہ بھی جگر بھی
یعقوب کی دنیا بھی ہے تاریک ۔ بصر بھی — آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ۔ دیا نورِ نظر بھی
تجھے قافلے کتنے کہ لُٹے راہ میں تیری
یوسف نے بھی جھانکے ہیں کنوئیں چاہ میں تیری

کس باغ میں فرقت نے تری گل نہ کھلایا — آرہ زکریا کے کلیجے پہ چلایا
تھی تیری ہوا جس نے سلیماں کو اڑایا — عیسیٰ سے مسیحا کو بھی بیمار بنایا
بے آنکھوں کے یہ جذبِ نظر خوب ہے تیرا
وہ بھی ترا طالب ہے جو مطلوب ہے تیرا

مطلوبِ خدا۔ نورِ خدا۔ مہرِ رسالت — جو حسن میں سرمایۂ نقاشِ مشیت
وحدت کا ورق۔ کلمۂ حق ۔ آیۂ رحمت — قرآن بھی دیکھا کرے وہ نور کی صورت
بعد ان کے جو ارسالِ رُسل چھوڑ دیا ہے
گویا یدِ قدرت نے قلم توڑ دیا ہے

جو نورِ ازل۔ طورِ ابد ہیں وہ محمدؐ — بندوں میں جو رحمت کی سند ہیں وہ محمدؐ
جو منزلِ تنزیلِ صمد ہیں وہ محمدؐ — جو عالمِ تخلیق کی حد ہیں وہ محمدؐ
مر کر بھی جو باقی ہو وہ فانی نہیں کوئی
خالق کا شریک ۔ آپ کا ثانی نہیں کوئی

رخ سورۂ والشمس تو آنکھیں وضحٰہا — دل منزلِ مزمل و مدثر و طاہا
کیا چاہیے اب اور۔ خود اللہ نے چاہا — پھر لطف یہ بے چاہ سے چاہت کو نباہا
واللہ دو عالم میں دوہائی ہے انہی کی
اللہ کے بندوں میں خدائی ہے انہی کی

ماتھا ہے کہ تقدیرِ الٰہی کا خزینہ — سجدے کا نشاں تاجِ شفاعت کا نگینہ
رحمت کا ہے طوفاں کہ جبیں کا ہے پسینہ — ماتھے کی شکن نوحِ غریباں کا سفینہ
ابرو کے اشارے سے بلا سب کی ٹلے گی
دیکھو یہی کشتی ہے جو کوثر پہ چلے گی

وہ زلف جو ایماں کے لیے حبلِ متیں ہے — کاکل ہے کہ اک آیت قرآنِ مبیں ہے
آغوش میں گیسو کی یہ رخسار حسیں ہے — یا صبح۔ شبِ قدر کے دامن میں مکیں ہے
یہ آنکھ نہیں ابروئے پُرتاب کے نیچے
ہے عینِ خدا کعبے کی محراب کے نیچے

پائے شہِ دیں حاملِ ایوانِ رسالت — سر۔ صدر نشینِ حرمِ شانِ رسالت
دل نفسِ رسالت تو نفس جانِ رسالت — حُسنِ نمکیں ذائقۂ خوانِ رسالت
ایک ایک خط و خال ملاحت سے بھرا ہے
رنگِ رخِ یوسف بھی ہے پھیکا۔ یہ مزا ہے

دم بھرتے ہیں اغیار بھی اخلاق وہ پایا — دل چھین لیا اُس کا۔ جو سر لینے کو آیا
ادنیٰ کو بھی پاس اپنے تواضع سے بٹھایا — جو۔ کھا کے جواہر کے خزانوں کو لٹایا
بندوں پہ جو حضرت کا کرم عام ہوا ہے
اسلام اسی خُلق سے اسلام ہوا ہے

انعام ہیں کیا کیا جو کیے حق نے کرامت — پیرایۂ دیں۔ جامۂ حق۔ تاجِ شفاعت
سُلطانِ رُسل ہو گئے جس سے وہ رسالت — عصمت ہی نہیں۔ محفلِ عصمت کی صدارت
ہر چیز ہے معبود کی اس شاہ کے گھر میں
وحدت ہی فقط رہ گئی اللہ کے گھر میں

یہ لاکھ رسولوں میں بس اپنی ہیں نظیر آپ — تارہ ہے کوئی۔ چاند کوئی۔ مہرِ منیر آپ
ہیں از رہِ اوصافِ حمیدہ ہمہ گیر آپ — خالق کے فقیر آپ تو بندوں کے امیر آپ
عارف وہ نہیں۔ ان سے جو آگاہ نہیں ہے
جو۔ ان کی رعیت نہیں وہ شاہ نہیں ہے

ہے منزلتِ شاہِ رُسل نامتناہی — وہ بارگہِ فیض جہاں فقر کی شاہی
اقبال ہے دربان۔ جلالت ہے سپاہی — امّی لقبی۔ کاشفِ اسرارِ الٰہی
قرآں کا پڑھا حرف۔ نہ تفسیر کا لکھا
پڑھتے رہے ایک ایک کی تقدیر کا لکھا

اس چاند کو صانع نے مہِ عید بنایا   عکسِ رُخِ پُرنور کو خورشید بنایا
ظاہر میں اک آئینۂ توحید بنایا   باطن میں مگر قلزمِ تجرید بنایا
خود اپنے کمالات کی تصویر بنا دی
جب خاتمے کا نقش بنا۔ مہر لگا دی

کیوں رُخ پہ نہیں مُہر عجب میں ہے زمانہ   وہ پشت پہ مخفی ہے سند جو ہے یگانہ
سچ پوچھو تو لازم تھا یہیں مُہر لگانا   ہے صلب میں عصمت کی امانت کا خزانہ
در پردہ جو ہے نسلِ بتولِ عذرا کی
تطہیر کے دفتر میں یہ ہے مہر خدا کی

کیا زیب۔ جبیں پر ہو اگر مہرِ نبوت   یاں داغ میں سجدے کے ہے خود مہر کی طلعت
رُخ پر جو نہیں مہر۔ یہ ہے رازِ مشیّت   دھبّے سے نہ کم ہو مہ کامل کی وجاہت
ممکن ہے یہ منشا ہو خداوندِ غنی کا
سجدے میں بھی اونچا ہی رہے نام نبی کا

ہے حسنِ ازل یوسفِ بازارِ محمدؐ   یوسف کا بھی محبوب۔ خریدارِ محمدؐ
موسیٰ کا ہے مطلوب طلبگارِ محمدؐ   عیسیٰ کا مسیحا بھی ہے بیمارِ محمدؐ
دربارِ خدا میں ہے بڑی بات نبی کی
خالق کی صلاتوں میں ہے صلوات نبی کی

اللہ رے اے بندۂ معبود ترا ذکر   جنت ہے تری چاہ۔ گناہوں کی دوا ذکر
اللہ کی تسبیح ہے اے صلِّ علیٰ ذکر   جو ذکر عبادت ہے پھر اس ذکر کا کیا ذکر
اس ذکر پہ کیوں گونج نہ ہو صلِّ علیٰ کی
صلوات بشر کی ہے۔ ملک کی ہے۔ خدا کی

حق مبدءِ کونین۔ نبی قطبِ زمانہ   وہ چشمۂ رحمت ہے یہ رحمت کا بہانہ
اللہ کی تسبیح میں شامل ہے یہ دانا   معبود بھی یکتا ہے یہ بندہ بھی یگانہ
احمد تو فقط نام کو ہے۔ عینِ اَحَد ہے
میم اس میں جو ہے۔ ممکن و واجب کی یہ حد ہے

بنیادِ وجود دوسرا نورِ نبی ہے — کیا حسن ہے کیا شان ہے۔ کیا نورِ نبی ہے
کیوں فرد نہ ہو صلِّ علیٰ نورِ نبی ہے — لے نامِ خدا۔ نورِ خدا۔ نورِ نبی ہے
بینا ہو تو اللہ کی قدرت نظر آئے
حق بیں کوئی دیکھے تو حقیقت نظر آئے

بندہ کوئی ایسا کبھی ہوگا نہ ہوا ہے — حق اس کا طلبگار ہے یہ حق پہ فدا ہے
حد کی تو یہ ہے بات کہ محبوبِ خدا ہے — انساں ہے بظاہر پہ خدا جانئے کیا ہے
بندوں پہ یہ خالق کی مشیّت نہیں کھلتی
ہم کیا ہیں شریعت سے حقیقت نہیں کھلتی

محوِ رخِ نیکوئے نبی۔ لاکھ نبی ہیں — آشفتۂ گیسوئے نبی۔ لاکھ نبی ہیں
تسلیم کو خم سوئے نبی۔ لاکھ نبی ہیں — گردِ حرمِ روئے نبی لاکھ نبی ہیں
اللہ نے بخشی ہے یہ حرمت شہِ دیں کو
سب قبلۂ حاجات سمجھتے ہیں انھیں کو

مولا نے صفی کو غمِ ہجراں سے چھڑایا — پھر نوح کو طوفاں میں شیطاں سے چھڑایا
پھر یوسفِ ذی جاہ کو زنداں سے چھڑایا — پھر جانِ سلیماں کو بنی جاں سے چھڑایا
مٹھی میں۔ انگوٹھی کی بدولت جو ہوا تھی
وہ مہر بھی اک خاتمِ دوراں کی عطا تھی

گر صلب میں نورِ شہِ ابرار نہ ہوتا — یوں بہرِ خلیل آگ کا گلزار نہ ہوتا
عیسیٰ کو اگر آپ کا اقرار نہ ہوتا — پھر کوئی طرفدارِ سرِ دار نہ ہوتا
جلوے نے اسی نور کے بے ہوش کیا تھا
موسیٰ کو عجب شربتِ دیدار دیا تھا

محکومِ احد۔ حاکمِ دارین محمدؐ — مطلوبِ خدا۔ مطلبِ کونین محمدؐ
سرچشمۂ نورِ ازلی۔ عینِ محمدؐ — ہے خالق و مخلوق کے مابین محمدؐ
مانندِ خدا۔ اپنا مماثل نہیں رکھتا
حد یہ ہے کہ یہ ظلِّ خدا۔ ظل نہیں رکھتا

اوروں کی یہ عزت بھی یہ پایا بھی نہیں ہے
اللہ نے خود اُن کو پڑھایا بھی نہیں ہے
یوں عرش کی کرسی پہ بٹھایا بھی نہیں ہے
یکتا اسے کہتے ہیں کہ سایا بھی نہیں ہے
خالق نے انہیں خلق کا سرتاج بنایا
سائے کو چھپا کر شبِ معراج بنایا

یا سائے نے تن آپ کا بے مثل جو پایا
وصلی کی طرح وصل ہوا تن میں سمایا
یا نورِ رخِ پاک کی جب تاب نہ لایا
گیسوئے معنبر میں نہاں ہو گیا سایا
یا یہ کہ امانت میں جو مشہور ہوا ہے
جبریلِ امیں سایۂ محبوبِ خدا ہے

خالق نے عجب عشق کا انداز دکھایا
سائے کو بھی محبوب کے۔ غیروں سے چھپایا
یہ نورِ خدا سیر کو جب خلق میں آیا
قوسین کے گوشے میں رہا نور کا سایا
اَدنیٰ سا شرف ہے یہ رسولِ عربی کا
پردہ جسے کہتے ہیں۔ وہ سایہ تھا نبی کا

ہے ظلِ نبی جلوۂ قدرت کی نشانی
حسنِ مہِ کنعاں تھا یہی یوسفِ ثانی
گویا تھی بس اتنی سی۔ زلیخا کی کہانی
اس سائے کے وسمے سے پلٹ آئی جوانی
کھو بیٹھے تھے یعقوب جو بینائی بھی دل بھی
یہ سایہ بنا سرمہ بھی اور آنکھ کا تل بھی

نازاں ہے تجلی پہ جو عمران کا بیٹا
کچھ یہ بھی ہے معلوم جو دیکھا تھا وہ کیا تھا
سن کر اَرِنی۔ حق نے کہا صاف کہ موسیٰ
تو اور مجھے دیکھے۔ یہ ممکن نہیں اصلا
کب قول بدلتا ہے خدائے اَزلی کا
جلوہ جو دکھایا تھا۔ وہ سایہ تھا نبی کا

سائے کو کہوں خالِ رخِ شاہدِ رحمت
یا گیسوئے محبوبِ شبستانِ شفاعت
یا مردمکِ دیدۂ پُرنورِ عقیدت
یا پردہ نشینِ حرمِ بخششِ امت
شافع ہے لقب خاص رسولِ عربی کا
سایہ تو گنہگاروں کے سر پر ہے نبی کا

اک رازِ خدا سایۂ محبوبِ خدا ہے — جو دیدۂ ظاہر کو ملے گا نہ ملا ہے
محبوبِ مشیت جو مشیت سے جدا ہے — یہ مونسِ تنہائیِ ربِّ دوسرا ہے
خلوت میں فرشتہ ہے۔ نہ جن ہے نہ بشر ہے
اک آئنۂ ذات ہے جو پیشِ نظر ہے

خورشید ہے احمد کا جسد بدر ہے سایا — پنہاں صفتِ فیضِ شہ بدر ہے سایا
جو علمِ خدا میں ہے وہ ذیقدر ہے سایا — چھپنے سے ہے روشن کہ شبِ قدر ہے سایا
رخ شمعِ ازل محفلِ عرفاں کے لیے ہے
سایہ وہ سیاہی ہے جو قرآں کے لیے ہے

سایہ ہو تو کیونکر کہ نبی۔ عینِ خدا ہے — اور آنکھ کا سایہ۔ کہیں دیکھا نہ سنا ہے
اب ذہن کو دعویٰ ہے کہ مضموں یہ نیا ہے — ہاں ظلِ نبی بیتِ امامت میں چھپا ہے
پردے میں رہے۔ حکم یہ ہے ربِّ غنی کا
لو آج کھلا۔ فاطمہؑ سایہ ہے نبی کا

حیرت ہے کہ اس پاک شجر میں نہیں سایا — جس نخل میں سایہ نہیں بے کار لگایا
ہاں سایہ ہے موجود مگر حق نے چھپایا — جو بدر کے مانند احد میں نظر آیا
ہر جنگ میں ہمراہ رسولِ عربی ہے
سائے کو محمد کے جو پوچھو تو علی ہے

اس نور کے سائے کو نہ ستار سے پوچھو — شبّر سے نہ زہرا سے نہ کرار سے پوچھو
یہ راز تو شبیرِ دلِ افگار سے پوچھو — یا رَن میں سپاہِ شہِ ابرار سے پوچھو
ہمشکلِ پیمبر یہ جو دھوکا ہے نبی کا
اکبر نہیں۔ سایہ ہے رسولِ عربی کا

یہ ماہ ہے آئینۂ خورشیدِ رسالت — اے نامِ خدا صلِ علیٰ شکلِ نبوت
یٰسین کا سورہ ہے کہ یہ نور کی صورت — صورت ہے کہ بے واسطہ احمد کی زیارت
قرآن بھی یہ حسنِ معانی نہیں رکھتا
یہ اس کا مثنیٰ ہے جو ثانی نہیں رکھتا

صورت کی ثنا کیا ہو۔ پیمبر کا ادب ہے وہ حُسن وہ تنویر جو یکتائے عرب ہے
وہ خال وہ خط جن پہ فدا رحمتِ رب ہے وہ نام جو خود خالقِ اکبر کا لقب ہے
تکبیر کا غل ہے سحر و شام جہاں میں
اکبر تو محمد سے بھی پہلے ہے اذاں میں

ہوتے جو کہیں آج رسولِ فلک آرا تصویر کا اپنی وہ کیا کرتے نظارا
تفسیرِ رسالت ہے۔ امامت کا یہ پارا بھیگیں جو مسیں خضر کو سبزہ یہ پکارا
پھر خَلق میں خالق کی نشانی پلٹ آئی
لو احمدِ مرسَل کی جوانی پلٹ آئی

اللہ رے وقارِ پسر، سیدِ والا بانو کا قمر۔ فاطمہ کے ماہ کا ہالا
کیوں صاحبِ ہمت نہ ہو وہ گیسوؤں والا حیدر کی خوزادی نے جسے گود میں پالا
عابد کی طرح زاہد و ابرار ہیں اکبر
پر غیظ میں عباس علمدار ہیں اکبر

اخلاق میں، اخلاص میں شاہِ شہدا ہیں احسان کی خُو میں حسنِ سبز قبا ہیں
جرأت میں شجاعت میں شہِ قلعہ کشا ہیں یکتائی میں بس ثانیِ محبوبِ خدا ہیں
اکبر کو جو یٰسین کی وہ شان نہ دیتا
تکبیر پہ ذی روح کوئی جان نہ دیتا

وہ ماں کہ امامت نے چُنا جس کا گھرانا وہ باپ کہ سلطانِ رُسل جس کے ہیں نانا
دادی ہیں کہ عورات زمانہ میں یگانا دادا ہیں کہ بندوں نے خدا تک جنہیں جانا
اک سیفِ خدا۔ ایک چچا کشتۂ ستم ہیں
تلک الرُّسُل اعزاز میں۔ یہ ہیں تو وہ عم ہیں

خالق کی تجلّی ہے کہ اس چاند کی رویت اللہ کا دیدار۔ محمدؐ کی زیارت
کیا شان ہے کیا حُسن ہو، کیا جلوہ و طلعت توحید کا سورہ ہے کہ رحمان کی سورت
ہر چند کہ اشکال سے ذات اسکی بری ہے
اس شکل سے منظور اسے جلوہ گری ہے

اس غیرتِ خورشید نے وہ حُسن دکھایا
خود نور کی صورت نے کہا شمس کا آیا
احمد کی شباہت نے یہ امّت کو سنایا
پھر مصحفِ رخسارِ نبی خلق میں آیا
وہ مہرِ مبیں تھے۔ مہِ کامل علی اکبرؑ
وہ مصحفِ اکبر تھے۔ حمائل علی اکبرؑ

پیدا ہوا جب یہ قمرِ برجِ سعادت
اصحابِ نبی دوڑ پڑے بہرِ زیارت
غل تھا یہ پسر۔ باپ کے نانا کی ہے صورت
پائی اسی صورت پہ محمدؐ نے رسالت
خالق نے یہ قرآن کی تفسیر اتاری
خود ہاتھ سے محبوب کی تصویر اتاری

اس چاند کے جلوے نے یہ اک اک کو بتایا
لو گھر میں امامت کے نبوت کا ہے سایا
شبیرؑ کی ہمشیر نے چھاتی سے لگایا
ماں دودھ پلاتی رہی زینب نے کھلایا
کہتی تھیں یہ گل ہے مری تقدیر کی تفسیر
قرآن کا قرآن ہے تفسیر کی تفسیر

زینب نے بھتیجے کو بڑی چاہ سے پالا
پُتلی کی طرح ان کو نہ پردے سے نکالا
الجھن ہوئی رویا جو کبھی گیسوؤں والا
بڑھتی رہی تعلیم مثالِ قدِ بالا
الفت کا سبق جانِ مودّت نے پڑھایا
اخلاص کا سورہ انھیں آیت نے پڑھایا

کس پیار سے کہتی تھیں یداللہ کی پیاری
ہاں علم کئی پشت سے دولت ہے ہماری
یہ پاس اگر ہو تو ملے قربتِ باری
بے علم کوئی رب کا مقرب نہیں واری
تھی علم کی عظمت کہ نبی خیرِ بشر تھے
حیدر کو امامت جو ہوئی۔ علم کا در تھے

تحصیلِ شرفِ علم کو سمجھو مرے دلبر
بابا کو رکھو خوش تو ہے خوشنودیِ داور
ہر کام کا اک وقت ہے بیٹا۔ علی اکبر
کچھ کھیل کی بندش تو نہیں۔ پر کہیں دن بھر
کرار کے پوتے ہو۔ یہ عالم پہ کھُلا ہے
جانباز ہو تم جان پہ کھیلو تو مزا ہے

تحصیلِ کمالِ اَب و جد چاہیے بیٹا
ہمت صفتِ شیرِ صمد چاہیے بیٹا
نیزے کے ہنر میں جد و کد چاہیے بیٹا
دشمن کے لیے دور کی زد چاہیے بیٹا
دلبر کی حفاظت انہیں منظورِ نظر تھی
پر حیف کہ انجام کی مطلق نہ خبر تھی

سب گھر کا سہارا ہیں یہی گیسوؤں والے
بس ہو تو ابھی ماں انہیں نوشاہ بنالے
ہر دم یہ دعائیں تھیں کہ اے پالنے والے
اکبر ہو جواں۔ پھولے پھلے۔ گھر کو سنبھالے
کیا دخل ہے انساں کو ارادے میں خدا کے
ماں بیاہ کے دن گنتی تھی۔ تقدیر قضا کے

نانا کی شباہت سے تو خوش تھے شہِ دلگیر
سینے پہ نظر کر کے مگر روتے تھے شبیر
دل کہتا تھا ڈھائے گا قیامت فلکِ پیر
ڈوبے گی لہو میں مرے نانا کی یہ تصویر
شادی کے عوض ماتمِ فرزند کریں گے
ہم آنکھوں سے دیکھیں گے یہ ناشاد مرینگے

جس دن کا تصور تھا بالآخر وہ دن آیا
پردیس میں مہماں کو لعینوں نے ستایا
انصار سے۔ بھائی سے۔ بھتیجے سے چھڑایا
مظلوم نے صبرِ اَسدُ اللہ دکھایا
سقے کو ترائی میں سسکتے ہوئے دیکھا
ماتم میں سکینہ کو بلکتے ہوئے دیکھا

اس داغ سے شبیر کو ہوش آنے نہ پایا
جو مرنے چلا لے کے رضا بانو کا جایا
بیٹے کی محبت نے یہ صابر کو سنایا
فطرت سے جہاں جنگ ہے وہ مرحلہ آیا
رُخ کر کے سوئے نہر۔ کمر باپ نے تھامی
یہ صبر دکھایا کہ رکاب آپ نے تھامی

اکبر بھی چلے رن کو۔ دلِ شاہ بدا بھی
شبیر بھی دیکھا کیے وہ ماہ لقا بھی
میدان میں نعرے بھی کیے اور وغا بھی
ہر زخم پہ کی بخششِ امت کی دعا بھی
ناگاہ اٹھا شور یہ افلاک کے اوپر
لو گر گئی تصویرِ نبی خاک کے اوپر

سینے پہ سناں کھا کے گرا بانو کا پیارا
خیمے کی طرف دیکھ کے بابا کو پکارا
یا شاہِ ھدا آخری آداب ہمارا
اب عازمِ فردوس ہے مشتاقِ نظارا
نیزے کا تو پھل رشتۂ جاں کاٹ چکا ہے
لیکن پئے دیدار دم آنکھوں میں رکا ہے

اے سیدِ ابرار خدا حافظ و ناصر
رخصت ہے یہ ناچار خدا حافظ و ناصر
کنبے کے عزادار خدا حافظ و ناصر
ڈیوڑھی سے خبردار خدا حافظ و ناصر
ڈر ہے نہ مرے غم میں تڑپ کر نکل آئیں
اماں نہ کہیں گھر سے کھلے سر نکل آئیں

یہ سن کے نہ سرور کو رہا ضبط کا یارا
پر صبر کی سیرت نے دیا دل کو سہارا
فطرت کے تقاضوں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
رو فاطمہ کے لال۔ چھٹا آنکھوں کا تارا
کیا سب غمِ اولاد میں رویا نہیں کرتے
شہ نے کہا صابر کبھی شکوا نہیں کرتے

آہوں نے کیا عزم کہ دنیا کو جلاؤ
مظلوم کی ہمت نے کہا لب نہ ہلاؤ
مچلے جو بہت اشک کہ طوفان اٹھاؤ
شہ بولے مرے صبر پہ دھبا نہ لگاؤ
ہمشکلِ نبی کیا مجھے امت سے سوا ہیں
لاکھ ایسے ہوں بیٹے تو رہِ حق میں فدا ہیں

یہ کہہ کے جو مقتل کو چلا دین کا ہادی
آنکھوں نے بھی مظلوم کو رستے میں دغا دی
سوزِ غمِ فطری نے بصارت جو مٹا دی
صابر نے کمر تھام کے بھائی کو ندا دی
زائل مری بینائی بھی اب کر گئے اکبر
عباس سنا تم نے بھی کچھ۔ مر گئے اکبر

اے قوتِ بازو۔ مری امداد کو آؤ
ہمشکلِ پیمبر ہیں کہاں ڈھونڈ کے لاؤ
اے عون و محمد مجھے اکبر سے ملاؤ
اے جانِ حسن جاؤں کدھر میں، یہ بتاؤ
لاشے پہ چلو لے کے غریب الغربا کو
رستہ نظر آتا نہیں مظلوم چچا کو

اے دشت، کدھر ہے وہ گل اندام ہمارا
اے خاک وہ مہ رو ہے کہاں، بول، خدارا
ذرّو۔ کہیں دیکھا ہے مری آنکھوں کا تارا
اے نہر یہیں تھا ابھی۔ وہ پیاس کا مارا
لاکھوں میں ترس ایک بھی کھاتا نہیں اکبر
اب تم ہی پکارو۔ کوئی آتا نہیں اکبر

جاتے تھے کبھی داہنی جانب شہِ صفدر
گھبرا کے کبھی بائیں طرف مڑتے تھے سرور
تھرّا کے سنبھلتے تھے۔ کبھی کھاتے تھے ٹھوکر
گرتے تھے کبھی راہ میں دامن سے اُلجھ کر
رخ زرد تھا۔ اور گیسوؤں میں خاک بھری تھی
عمامہ لٹکتا تھا۔ قبا ڈھلکی ہوئی تھی

مقتل میں ہر اک لاش پہ جھک جاتے تھے سرور
بو سونگھ کے کہتے تھے۔ یہ میرا نہیں دلبر
ناگاہ ملے خاک پہ غش میں۔ علی اکبر
دل تھام کے شہ بولے یہ شانے کو ہلا کر
فرزندِ رسول الثقلین آیا ہے بیٹا
تعظیم کو اٹھو کہ حسین آیا ہے بیٹا

بابا کی صدا سن کے ذرا ہوش جو آیا
تسلیم کو خود اٹھ نہ سکے ہاتھ اٹھایا
یارائے سخن دردِ جگر سے جو نہ پایا
حسرت کی نگاہوں سے یہ ارمان سنایا
ہنگامِ وصیت ہے اجل سر پہ کھڑی ہے
بولا نہیں جاتا کہ سناں دل میں گڑی ہے

شہ بولے اشارے کو میں سمجھا مرے دلدار
نیزہ ترے سینے سے نکالے گا یہ ناچار
کیا کام لیا باپ سے آج۔ اے مرے جرّار
مُنہ پھیر کے پھر خاک پہ بیٹھے شہِ ابرار
اک آہ جو فرزندِ جواں کھینچ کے تڑپا
صابر بھی کلیجے سے سناں کھینچ کے تڑپا

نیزے کے نکلتے ہی کچھ آئی جو بحالی
آہستہ یہ کی عرض کہ اے خلق کے والی
اماں کو یہ پیغام سنا دیں شہِ عالی
امّت کے لیے ہم نے سناں سینے پہ کھا لی
ہاں اب تو نہ میلا مرا دل کیجیے امّاں
جو دودھ کا حق ہے وہ بحِل کیجیے امّاں

غش سے جو سرِ شام اٹھیں عابدِ بیمار
کہہ دے یہ کوئی میری طرف سے بدل زار
اے اُجڑے ہوئے قافلۂ درد کے سالار
ہم جاتے ہیں بھیّا حرمِ شہ سے خبردار
حسرت یہ نہیں ہے زر و گوہر کو نہ چھینے
پر کوئی پھوپی جان کی چادر کو نہ چھینے

یہ کہتے ہی زردی رخِ پُر نور پہ چھائی
ناگاہ سوئے خیمہ سے آواز یہ آئی
میں لٹ گئی اے میرے جواں مرگ دوہائی
اٹھارہ برس کی مرے بیرن کی کمائی
اک بار کلیجے سے لگا لوں تو سدھارو
تھم جاؤ مرے لال۔ میں آلوں تو سدھارو

یہ کون مروّت ہے رلاتے ہوئے جانا
اے غنچہ دہن بیاہ رچاتے ہوئے جانا
بھیّا سے مرا نیگ دلاتے ہوئے جانا
سہرا کسی دکھیا کو دکھاتے ہوئے جانا
میں واری۔ مدینے سے خبر آئی ہے بیٹا
شادی تری ہمشیر نے ٹھہرائی ہے بیٹا

اے جانِ حسین آپ کو کیا کہہ کے میں روؤں
نازوں کا۔ مُرادوں کا پلا کہہ کے میں روؤں
یا دوسرے محبوبِ خدا کہہ کے میں روؤں
دولھا نہ بنے تھے جو بنا کہہ کے میں روؤں
آئی یہ صدا جب۔ تو سفر کر گئے اکبر
اُس بی بی کے نالے جو سُنے مر گئے اکبر

میّت سے اٹھے شاہِ ہدا سر کو جھکائے
سمجھا کے بہن کو۔ حرمِ پاک میں لائے
پھر لاش اٹھانے کے لیے دشت میں آئے
دشمن کو بھی اللہ یہ منظر نہ دکھائے
دلبند کلیجے پہ سناں کھائے پڑا تھا
بالیں پہ جگر تھامے ہوئے باپ کھڑا تھا

ریتی پہ وہ میّت تھی کہ احمد کی نشانی
کہتے تھے لبِ خشک کہ پایا نہیں پانی
ماتم کوئی کرتا تھا نہ واں مرثیہ خوانی
ارمان بھرے لاشے پہ روتی تھی جوانی
دیکھے یہ سماں کوئی تو کس طرح کل آئے
شبیر کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے

طوفاں تو امڈا تھا یہ مظلوم نے ٹالا امّت کے تصوّر میں دلِ زار سنبھالا
پھر لاش اٹھانے کو جھکے سیّدِ والا یاد آگیا وہ بھائی، جو تھا گود کا پالا
دریا کی طرف مڑ کے کہا ہائے برادر
اکبر کے بھی پُرسے کو نہ تم آئے برادر

اے میرے وفادار کہاں سے تمہیں لاؤں جب تم ہی نہ آؤ تو کسے اور بلاؤں
یہ منظرِ جاں کاہ اخی کس کو دکھاؤں تم نہر پہ سوتے رہو میں لاش اٹھاؤں
کس طرح رکھوں ہاتھوں پہ ٹکڑے کو جگر کے
تھاموں میں کمر کو کہ جنازے کو پسر کے

خاموش نسیمؔ اب کہ نہیں ضبط کا یارا مجلس میں ہر اک کا ہے جگر غم سے دوپارا
ہے وقتِ دعا، عرض یہ کر شہ سے خدارا یا شاہ مصیبت میں ہے مدّاح تمہارا
کیوں منہ سے کہوں دل میں جو اک بات نہاں ہو
احوال تو سارا مرے مولا پہ عیاں ہے